

مرضی تری ہر وقت جیسے پیش نظر ہو

بَقِيَّةُ السَّلَفِ حَضْرَتُ مَوْلَانَا مُحَمَّدُ أَحْمَدُ صَاحِبُ

بہ اور اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق میں اضافہ ہوتا ہے اور آدمی اس کے ذریعہ ترقی کرتا جاتا ہے یہ مومنانہ حال اور صبر کی عظیم دولت اللہ والوں کی صحبت اور ان کے ساتھ تعلق سے حاصل ہوتا ہے مولانا محمد علی جوہر کی شخصیت مشہور ہے وہ کچھ بڑے تھے لیکن ان کے قلب کے اندر بزرگوں کی صحبت کی برکت سے ایسی تبدیلی آگئی تھی جو بہتوں کیلئے قابل رشک ہے ان کی ایک لڑکی تھی جو مدتوں تھی جب مولانا صاحب صاحب جیل کے اندر تھے تو لکھنے والوں نے مولانا کے پاس اطلاع کرائی کہ بچی کی حالت نازک ہے انہوں نے اس کے جواب میں جو خط لکھا اس میں دو شعر بھی لکھے تھے اس سے ان کی توفیق و رضا کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک دفعہ سراسر میر کے جلسہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے اور میں بھی تھا اور بہت سے علماء جمع تھے مدرسہ کا جلسہ تھا حضرت مجھ سے بڑی محبت فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے حضرت نے مجھ سے بیان کی فرمائش کی میں نے وہاں اس واقعہ کو بھی ذکر کیا اور میں نے دیکھا کہ اس واقعہ کا مولانا پر اتنا اثر ہوا کہ مولانا نے وہی شعر اور جو حاضرین کے بھی آنکھوں سے آنسو رواں تھے انہوں نے جو لکھا وہ سننے کے لائق ہے اور تم سب کو اس سے سبق حاصل کرنے کی ضرورت ہے سنئے

ہم میں مجبور پر اللہ تو مجبور نہیں
آمنہ جو بھی شفا پائے تو کچھ دور نہیں
بندہ تو اللہ تعالیٰ کے سامنے
مجبور محض ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر
ہے بندہ کا وظیفہ یہ ہے کہ اللہ سے
دعا کرے تفریح و تازگی اور اپنی عاجزی
پیش کرے۔

ایک مرتبہ گھر کے اندر جناب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے چراغ گل ہو گیا آپ نے فرمایا ایتنا لکھ وانا الیہ راجعون حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ کیا اس پر بھی ایتنا لکھ وانا الیہ راجعون پڑھا جائے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں ہر وہ چیز جو خلاف مزاج اور تکلیف دہ ہو اس پر ایتنا لکھ وانا الیہ راجعون پڑھنے سے اجر اور ثواب ملتا ہے اللہ تو خالق ہے مالک ہے رحیم و کریم اور رؤف بالعباد ہے اس سے بڑھ کر کون بندوں پر رحم و کرم کرنے والا اور شفیع و مہربان ہوگا اس کا کوئی معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ مجازاً اختلاف شفقت ہو سکتا ہے؟ بزرگوں نے فرمایا کہ وہ کھلاں تو کھائیں اور وہ ہنسائیں تو ہنسیں اور وہ رولائیں تو روئیں اور بیٹھائیں تو بیٹھیں سب کچھ انہیں کی طرف سے ہوتا ہے وہ متعزت ہے اپنی ملک کے اندر جس طرح چاہے وہ تصرف کرے اس کو اختیار ہے مومن کی زندگی ایک عجیب زندگی ہے وہ لکھا تا بھی ہے سوتا بھی ہے اور اہل صحابہ بھی رکھتے اور اس کو تکلیف اور مصیبت بھی پہنچتی ہے مگر اس کی کیفیت کو کفار اور مشرکین کیا پاسکتے ہیں؟ ان کو یہ باتیں سمجھ میں بھی نہیں آسکتیں ایک فرمانبردار اور اللہ کے سامنے گردن جھکا دینے والے کی جو زندگی ہے اس کو ہم لوگ کیا سمجھ سکتے ہیں اہل اللہ کا تو یہ حال ہوتا ہے۔

دوست کی جانب سے جو پہنچے بلا وہ بلا ہرگز نہیں وہ ہے کریم بندے کے حق میں اس کے صبر پر جو اجر و ثواب مرتب ہوتا ہے وہ کوئی معمولی چیز ہے اس سے اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوتی

بزرگوں کا مذاق الگ الگ رہا ہے بعض بزرگان دین دعا نہیں کرتے تھے خاموش رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہتے تھے ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ دیکھ رہا ہے مگر یہ دنیا دارا لاسباب ہے یہاں سبب اختیار کیا جاتا ہے چنانچہ دوا کرنا سنت ہے اس کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ سے دعا بھی کرے اسی بنا پر اکابر اولیاء اللہ کا معمول دعا کرنے کا تھا یہاں تک کہ حدیثوں میں آتا ہے اگر تمھارے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اس کا بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے مانگو وہ عاقل اپنے عجز اور عبدیت کا اظہار ہے اور جس قدر عجز اور عبدیت کا اظہار ہوگا اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے قرب میں اضافہ ہوگا۔ یہی مومن کی معراج ہے اسی کو انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سامنے ہم تو مجبور ہیں لیکن اگر وہ شفا دے دیں تو ان کی رحمت سے کچھ دور اور بعید نہیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ہم کو تقدیر الہی سے نہ شکوہ نہ گلہ اہل تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں یہ مقام تسلیم و رضا ہے جو مقام ولایت اور مقام قرب ہے ایمان کسی

کا اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور فیصلہ پر راضی نہ ہو اور تیسرا شعر جو لکھا ہے اس کے اندر کیا بات فرمائی ہے سبحان اللہ سبحان اللہ عجیب بات لکھی ہے اس کے اندر دونوں کا حق ادا کیا ہے حق تعالیٰ کا بھی اور اس بیاری کا بھی فرماتے ہیں۔

تیری صحت میں مطلوب ہے لیکن اس کو نہیں منظور تو پھر سہو بھی منظور نہیں یعنی تمھاری صحت اور اس مرض سے شفا یابی ہم کو منظور ہے لیکن ہاں مرضی اللہ کی مرضی کے تابع ہے لہذا اگر اس کو منظور نہیں تو پھر مجھ کو بھی منظور نہیں۔

دیکھا آپ نے کسی بات فرمائی یہ اہل اللہ کے صحبت کا فیض اور انکی توجہ کا کرشمہ ہے ان کو حضرت شیخ الہند قدس سترہ جیسے اکابر اولیاء اللہ سے شرف صحبت حاصل تھا حضرت غوث پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان والا اولیوں و چراہین جانتا بس اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی رہتا ہے اس پر اپنا ہی ایک شعر یاد آتا ہے

مرضی تری ہر وقت جیسے پیش نظر ہے
بس اس کی زبان پر نہ اگر ہے نہ مگر ہے

حج کو جانے والوں کے لئے

آسان حج

مولانا محمد منظور نعمانی

کی مقبول و معروف کتاب
کا نیا خوبصورت ایڈیشن

آپ کیسے کریں

مولانا محمد منظور نعمانی۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی مشترکہ تالیف جو انیس انداز میں حج کا طریقہ اور احکام و مسائل میں بتاتی ہے اور وہ دقیق و مشوق بھی پیدا کرتی ہے جو حج و زیارت کی جانچ

عکسی ایڈیشن
قیمت
۶/۵۰

حج کے سفر کے مشفقانہ دستاویز اور ناسازگار مسلمانانہ مروجہ کے سب سے زیادہ جاننے والے ناشر: الف اسکریپٹ بک ڈپو نیا گاونڈی مغرب (نظر آباد) لکھنؤ

مجلس ادارت

شمس الحق سندوی
محمود الازہار سندوی

خط و کتابت کا پتہ
نمبر ۱۰، توحید، پوسٹ بکس ۹۳
مدینہ اسلام، لکھنؤ۔ اسٹایا

زر تعاون

سالانہ پیاس پیئے
ششماہی چالیس پیئے
نی شمارہ ۲/۲۵ روپے

بیرون ملک

بحری ڈاک، جلد ڈاک ۱۰ ڈالر

ففسائی ڈاک

ایشیائی ممالک ۲۵ ڈالر
افریقی ممالک ۲۵ ڈالر
یورپ ممالک ۲۵ ڈالر
امریکی ممالک ۲۵ ڈالر

نوٹ

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صفات و نشریات
لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تفریحات
کے پتے پر روانہ فرمائیں

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے
تو اس کا مطلب ہے کہ اس شماره پر آپکا
چندہ ختم ہو چکا ہے لہذا آپ اگر یہاں پہنچے
یہ کہ دین ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء
کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا ہے تو
سالانہ چندہ سلیج پیکٹس روپے ارسال
فرمائیے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ چندہ
یا خط بھیجئے وقت اپنا فریاداری نمبر لکھنا
د بہرین۔

تعمیر حیات

بیتناہ اولیاء

مجلس ادارت

شمس الحق سندوی
محمود الازہار سندوی

۲۴ جلد ۲۵ مئی ۱۹۹۰ء مطابق ۲۹ شوال ۱۴۱۱ھ شمارہ ۱۴

مسلمانوں میں ملی تشخص کی بیداری

موجودہ عہد کو اگر اسلامی نشاۃ ثانیہ کا عہد کہنا مناسب یا قبل از وقت خوش فہمی سمجھا جائے تو اس بات میں شک کی گنجائش نہیں کہ یہ عہد مسلمانوں میں ملی تشخص کی بیداری اور نشاۃ ثانیہ کے لئے جدوجہد کا عہد ہے اس بیداری اور جدوجہد کے آثار دنیا بھر میں دکھائی دے رہے ہیں جہاں مسلمان معقول اور مؤثر تقدیمات پیش کرتے ہیں۔

اس بیداری اور سرگرمی کے مختلف اسباب و عوامل ہیں۔ غلط تصور اور اسلام اور مسلمانوں کے مزاج کو نہ سمجھنے یا اس سے خوفزدہ رہنے کی وجہ سے اس بیداری اور ملی شعور کو بعض حلقوں میں شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور بعض حلقوں میں اس کو فوری رد عمل یا تنگ نظری اور رجعت پسندی سمجھا جاتا ہے، بعض اسلامی ملکوں میں بھی مغربی تصور کی وجہ سے اس رجحان کو کٹرین یا رجعت پسندی قرار دے کر اس کو کھیلنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور حالات کے غلط اندازے کی وجہ سے وہی وسائل اختیار کئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے یہ رجحان پیدا ہوا، اور اس رجحان میں قوت اور شدت پیدا ہوئی۔

گذشتہ دور کا اگر ہم جائزہ لیں تو، ہمیں وہ دور مسلمانوں اور اسلام کے حق میں جبر و تشدد اور انتقام کا دور نظر آئے گا، سامراج کے عہد میں کمیونسٹ نظام کی سر بلندی کے عہد میں سامراج کے مٹنے کے بعد سامراج کے قائم کئے ہوئے جانشینوں کے عہد میں اسلام کو عقیدہ تاریخ، تعلیم و تربیت، سیاست اور اقتصادیات اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں سخت انفرادی تحریف اور سب و شتم کا سامنا کرنا، مسلمانوں کو سخت آزمائشوں، قتل و بربادی سے گذرنا پڑا، سیاسی حقوق سے محرومی، حریت عمل و عقیدہ سے محرومی کا سامنا کرنا پڑا، خود مسلم ملکوں میں اسلامی دعوت اور تربیت پر پابندیوں کا عائد کی گئیں، اور اسلام کے خلاف ہر عقیدہ اور تحریک کی مدد کی گئی۔ اسلام اور مسلمانوں پر جارحیت کا ارتکاب کرنے والی شخصیتوں کو قوت پہنچائی گئی، ایسے باغی لوگوں کو مسلمانوں کا ناسخہ قرار دیا گیا جن کو اسلام اور مسلمانوں سے ذہنی اور فکری اور سماجی کوئی تعلق اور مناسبت نہیں تھی، اور ان کو مسلمانوں کے مفاد کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔

مغربی ممالک نے ایسی تحریکوں کی پرورش کی جو مسلم سماج میں غیر اسلامی تصورات اور رجحانات پیدا کر رہی تھیں، اور اسلام سے تعلق کو کمزور کرنا ان کا مقصد تھا، مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کے لئے ایسا سڑ پھر تیار کیا گیا جو مسلمانوں میں علیحدگی پسندی اور عصیت پیدا کرے۔ مسلمانوں اور غیر مسلم قوموں کے درمیان نفرت اور عداوت پیدا کرنے کے لئے ایسی تاریخ وضع کی گئی جو ماضی سے بدگمان کرے اور تشدد کا ذہن بنائے۔ اور مختلف طبقات میں عداوت پیدا کرے۔

کمیونسٹ ممالک نے اسلام کو اپنا بنیادی دشمن قرار دیا، اور اسلام کے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور اسکا دعوت دی، بعض ملکوں نے جو مسلم اکثریت کے علاقہ تھے۔ اسکا دعوت دی، اسکا دعوت دی، اور اس کی مخالفت کو خیانت اور عداوت تصور کیا۔ اسلامی ناموں کو بدلنے کی کوشش کی گئی۔ مسلمانوں کی آبادی کو منتشر کیا گیا تاکہ انکا تشخص ختم ہو، جسلاں و حرام کی تمیز ختم کی گئی، اور حرام چیزوں کے اختیار کرنے پر مسلمانوں کو

دعوت دین کا کام کرنیوالوں سے

حضرت یوسفؑ کے طرز تبلیغ کا ایک نمونہ

حضرت مولانا مسید ابوالحسن علی ندوی

سب سے پہلے آئے ہم ان آیات کریمہ کو پڑھیں، جن میں اس دعوت کا ذکر ہے: ودخل معہ السجن فتین قال احدھما فی الزمخ ارضی لھم فوق ولا سی خبراً تاکل الطیر منہ نیباتا ویسلہ انانزل من المحسنین قال لا یتاویلہ قبل ان یتیکما ذلک معا علمنی رب انی ترکت مملۃ قوم لا یؤمنون باللہ وھو بالآخرۃ ہم کفر ون واسحق و ملۃ اباء علی ابراہیم واسحق و یعقوب ما کان لانا ان نشرک باللہ من شیء ذلک من فضل اللہ علینا وعلی الناس ولکن لکن الناس لا یشکرون یصلحی السجن ارباب متفرقین خیر لہم اللہ الواحد القہر ماعبدالہ من دینہ الاسماء مسبق تموا انتم و اباؤکم و ما انزل اللہ بھامن سلطان ان الحکم الا اللہ امرن لا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون یصلحی السجن اما احدکم ما فیسقی ریلہ نحل واما الآخر فیصلحیا کل الطیر من راسہ قضی الامر الذی فیہ تستفتین

(یوسف ۲۱-۲۲)

اور ان کے ساتھ دو اور جان بھی داخل زندان ہوئے، ایک نے ان سے کہا کہ وہیں خواب دیکھا دیکھا گیا ہے کہ شرب کے لئے انور جوڑ رہا ہوں وہ شرب کے کہا کہ میں خواب دیکھا ہے، میں یہ دیکھا ہوں کہ اپنے سر پر دیباہ اٹھائے ہوئے ہوں، اور جان میں سے کہا ہے میں تو ہمیں ان کی تعبیر بتا دیتے ہیں کہ ہر ایک کو دیکھا دیکھتے ہیں، یوسفؑ

ایک انوکھا ماحول حسین حضرت یوسفؑ نے دعوت دی ان آیات کریمہ کی تشریح سے پہلے اپنے ذہن میں اس انوکھے ماحول کا ایک نقشہ سامنے لائے، جو اس دعوت کے وقت تھا، اور ان حالات کو پیش نظر رکھتے جن میں حضرت یوسفؑ علیہ السلام نے کار دعوت انجام دیا۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ حضرت یوسفؑ کون تھے؟ حضرت یوسفؑ، حضرت یعقوبؑ

کے صاحبزادے، حضرت اسماعیل کے پوتے اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے ہیں۔ یہ وہی حضرت یوسفؑ ہیں جن کے بارے میں سولہ آیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **یوسف بن المریم بن الکریم**، ایک برگزیدہ، برگزیدہ کے صاحبزادے، برگزیدہ کے پوتے، برگزیدہ کے پوتے، انب دیکھئے تو سب کے اعلیٰ خاندانی شرافت میں سے ہیں، نبوت کی میراث دیکھئے تو کئی پشتوں سے اس کے حال اللہ تعالیٰ جل شانہ کی معرفت دیکھئے تو یہ بھی خاندانی وراثت، میراث اور اخلاق دیکھئے تو پشت پاست سے اس کے خاندان میں یہ دولت منتقل ہوتی آرہی ہے، آسمانی صحیفوں میں ان کا ذکر ہے۔ دین و دانش ادب و حکمت کی کتابوں میں ان کا قصہ موجود ہے، جمال ظاہری میں سے مثال تھے، اللہ تعالیٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت کا جامع بنایا تھا، ظاہری شکل و وجاہت کا اگر وہ نمونہ تھے، تو دوسری طرف پاکیزہ اخلاق اور کردار کی بلندی کا بھی آئینہ تھے ان کی ذات حسن صورت، حسن سیرت اور جمال عقل فکر (اگر یہ تعبیر مناسب ہو تو) کی جامع تھی۔ اس کے ساتھ طبیعت میں گداز احساس و جذبات میں لطافت اور فطری شرافت کا عنصر مستزاد تھا، وہ صحیح معنی میں حسن کامل پر تھے۔ یہ حسن ان کی ظاہری وجاہت کی طرح ان کے عادات و اطوار، طرز کلام اور طرز فکر سے بھی آشکار تھا۔

ان آیات کریمہ کی ادبی شان اور بلاغت کا لطف لینے سے پہلے، ہمیں اس ماحول کو بھی اپنے سامنے رکھنا چاہئے، جس میں حضرت یوسفؑ نے اپنی دعوت پیش کی تھی، ان آیات کریمہ کو پڑھئے: **وَجَاءت سَبَّارَةٌ فَسَأَلتُہُ فَاذِنَہُ فَاذِنَہُ دَلُوہُ مَا دَعَفَہُ** اب خدا کی شان دیکھو کہ اس کو نبی کے قریب ایک قافلہ وارد ہوا، اور انھوں نے پانی کے لئے اپنا سقا بھیجا اس نے کنویں میں ڈول ڈکا یا۔

شعب اللہم من بعد ما نزلنا الایت لیست جنتنا حتیٰ حیث جن میں حضرت یوسفؑ علیہ السلام نے کار دعوت انجام دیا۔

پھر یہ جو اس کے کہ وہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے، ان کی رائے یہی ٹھہری کہ کچھ عرصہ کے لئے ان کو قید ہی کر دی۔

۲۵ مئی ۱۹۹۵ء

حضرت یوسفؑ کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے اور ایک ایسی تہمت لگائی جاتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا بری اور بے تصور ثابت کر دیا جسے خود ریزی کی تہمت سے وہ بچ گیا۔ بری تھی، جس پر حضرت یوسفؑ کو پھانسی کا الزام ان کے بھائیوں نے لگایا تھا۔ بہر حال حضرت یوسفؑ جیل میں ایک تہمت کی بنا پر مجرم کی حیثیت سے داخل کئے جاتے ہیں جیل خانوں میں حکام بالائے احکام کی صفت تعمیل ہوتی ہے جیل خانہ کے عمل کو حق و ناحق سے کوئی سرکار نہیں ہوتا، وہ عملہ تو قیدیوں کو اس طرح اپنی تحویل میں لیتا ہے، جیسے ہر لوگ ڈاک وصول کرتے ہیں، ڈاکیر کو بھی اس سے مطلب نہیں کہ ان خطوط میں کیا ہے، اور لینے والا بھی بغیر کسی ترحم کے اس کو وصول کر لیتا ہے، اب خواہ اس میں کوئی تاجر ہو جس میں جانکدگی کی خبر ہو یا کوئی خوش خبری جو، غرض جیل خانہ کا عملہ عبادت یا ایشیا منقولہ کی طرح قیدیوں سے بھی معاملہ کرتا ہے، انھوں نے حضرت یوسفؑ کا ہاتھ پکڑ لیا، اب انھیں کیا معلوم کہ کون ہیں اور کس خاندان کے چتر و چرخ ہیں۔ اور کس درجہ بلند اخلاق کے حامل ہیں ان کو تو صرف یہ معلوم تھا کہ ان کے لئے جیل میں ڈالے جانے کا حکم صادر ہوا ہے۔ لہذا انھوں نے دوسروں قیدیوں کی طرح ان کو بھی داخل زندان کر دیا جب حق و ناحق کا فیصلہ جیل کے باہر نہ ہو سکا تو پھر جیل کی چھاد یواری کے اندر کنویں میں تھا، اس کے آہنی پھانسی کے پٹ جب بند ہو گئے تو اس کے اندر جو بھی ہے، جیسا ہے، جیسا ہے، باہر کی صفات ہوا سے سب ہی محروم کر دیے جاتے ہیں، جیل خانہ کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے اور قیدیوں کو باتیں کرنے کا وقت ہی وقت ہوتا ہے۔

احترام و اعتراف کا مرکز باوجود اس کے کہ سب قیدی برابر ہوتے ہیں، حضرت یوسفؑ قحوطے کے قریب ایک قافلہ وارد ہوا، اور انھوں نے پانی کے لئے اپنا سقا بھیجا اس نے کنویں میں ڈول ڈکا یا۔

شعب اللہم من بعد ما نزلنا الایت لیست جنتنا حتیٰ حیث جن میں حضرت یوسفؑ علیہ السلام نے کار دعوت انجام دیا۔

پھر یہ جو اس کے کہ وہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے، ان کی رائے یہی ٹھہری کہ کچھ عرصہ کے لئے ان کو قید ہی کر دی۔

تعمیرات کھنڈ

ہی دونوں میں لوگوں کی توجہ کام کو بن گئے قیدیوں میں ان کی شرافت و حسن اخلاق کا عام چرچا تھا ان کے ماحول پر پھیلا ہوا تھا، ان کے اخلاق کرماندگسے لڑائیت سے چھٹ گئی، سجدگی و سار کردار کی بلندی میرت کی پختگی عبادت میں کیوں اور پھر ملنے ملنے میں خندہ پیشانی، عجز و انکساری ہر ایک کے اخلاق و مردت کا پرتاؤ، کوئی چیز ایسی تھی جس کا اثر نہ پڑتا، قیدیوں کے دل بے اختیار انکی طرف کھینچنے لگے، اور وہ ان کا احترام کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے منشاء و مصلحت کا مظہر تھا۔ اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ قیدیوں میں دو قیدی دو مختلف قسم کے خواب دیکھتے ہیں، خواب کے دن کے خوابوں کے مختلف اور نرے قسم کے تھے، ایک نے دیکھا کہ وہ شرب کھینچ کر رہا ہے، اس کے بھائی پر (کا بوس کی طرح) یہ خواب سوار ہو گیا اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہوگی، دوسرے شخص دیکھتے ہیں کہ وہ سر پر روٹی اٹھاتے ہوئے ہے جس کو پرندے کھا رہے ہیں، یہ بھی عجیب و غریب قسم کا خواب تھا، اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ حضرت یوسفؑ سے رجوع کریں، خوابوں کی تعبیر لینے کے لئے ان کا حضرت یوسفؑ سے رجوع کرنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کی انسانی نظرت مردہ نہیں تھی اور ان میں مشاہدہ کی قوت باقی تھی، اور یہ ہوتا آیا ہے کہ لوگ علم و منطق سے زیادہ اپنے مشاہدات و تجربات پر اعتماد کرتے ہیں، بہر حال ان دونوں نے اپنے اپنے خواب بیان کئے، ایک نے کہا کہ میں اپنے آپ کو شرب کھینچتے ہوئے دیکھتا ہوں، دوسرے نے کہا کہ میں اپنے سر پر روٹی دیکھتا ہوں جس کو پرندے کھا رہے ہیں، براہ کرم انکی تعبیر دیجئے آپ ہمیں بہت بھلا انسان دکھائی دیتے ہیں (ہم آپ ان لوگوں میں پاتے ہیں جو احسان کرتے ہیں)۔

احسان کا مفہوم خواب کی تعبیر پر چھنے والوں نے حضرت یوسفؑ سے کہا تھا: **ان تعبد اللہ کانت رزاقہ فان لم تکن تترہ فان لکم رزاقہ** احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر دو کہ گویا تم اس کو دیکھتے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے ہو کیونکہ وہ تو تم کو دیکھ ہی رہا ہے۔ لہذا یہاں احسان کا مفہوم یہ ہے کہ ہر آپ کو عبادت میں درجہ احسان پر فائز پاتے ہیں، آپ کو گفتگو میں، معاملہ میں ہر چیز میں اس کمال کے درجہ پر پاتے ہیں جو احسان کا درجہ ہے چونکہ حضرت یوسفؑ کے گرد ہمیشہ تہمت اور بدنامی کے ہالے پڑ چکے تھے (جمال ظاہری میں حضرت یوسفؑ ایک مرتابندہ تھے، اس لئے ان کے گرد ہمیشہ تہمت اور بدنامی کے ماحول کو ہالے سے تعبیر کرنا مناسب ہوگا) لوگ کچھ کا کچھ گمان کرنے لگے تھے، چرچے ہو رہے تھے، قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں، کوئی کہتا تھا آخر جیل میں کیوں ڈالے گئے؟ کسی نے کہا ہمزور ایسا کیا ہوگا، کسی نے کہا اسے ایسا نہیں ہو سکا، لیکن یہاں جیل میں یہ سب ہالے ختم ہو گئے، اور ایک دوسرا ہالہ اس صورت دیرت کے "ماہ و تابان" کے گرد دکھائی دینے لگا، یہ تھا احترام و اعتماد اور تحسین و تعریف کا ہالہ۔

احسان کا مفہوم بھیانک خوابوں سے زیادہ قابل فکر بات حضرت یوسفؑ نے محسوس فرمایا **انفی انزلک من المحسنین** یعنی آپ ہم کو ان لوگوں میں سے دیکھائی دیتے ہیں جو احسان کرتے ہیں۔

یہاں پرا حسان کا کیا مفہوم ہے؟ کیا حضرت یوسفؑ کے پاس کوئی دولت تھی، جسے انھوں نے چھپا کر رکھا تھا اور قیدیوں میں اس کو تقسیم کیا کرتے تھے احسان کرنے کا لفظ سن کر ہمارے ذہن میں جو بات پہلے آتی ہے وہ یہی ہے کہ حضرت یوسفؑ جس حالت میں تھے اسکو دیکھتے ہوئے یہ بات نہ صرف خندان عقل بلکہ محال معلوم ہوتی ہے۔ احسان کا مطلب کسی کام کو بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دینا جو کمال کا درجہ ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ احسان کیا ہے تو آپ نے فرمایا: **ان تعبد اللہ کانت رزاقہ فان لم تکن تترہ فان لکم رزاقہ** احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کر دو کہ گویا تم اس کو دیکھتے ہو کیونکہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے ہو کیونکہ وہ تو تم کو دیکھ ہی رہا ہے۔ لہذا یہاں احسان کا مفہوم یہ ہے کہ ہر آپ کو عبادت میں درجہ احسان پر فائز پاتے ہیں، آپ کو گفتگو میں، معاملہ میں ہر چیز میں اس کمال کے درجہ پر پاتے ہیں جو احسان کا درجہ ہے چونکہ حضرت یوسفؑ کے گرد ہمیشہ تہمت اور بدنامی کے ہالے پڑ چکے تھے (جمال ظاہری میں حضرت یوسفؑ ایک مرتابندہ تھے، اس لئے ان کے گرد ہمیشہ تہمت اور بدنامی کے ماحول کو ہالے سے تعبیر کرنا مناسب ہوگا) لوگ کچھ کا کچھ گمان کرنے لگے تھے، چرچے ہو رہے تھے، قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں، کوئی کہتا تھا آخر جیل میں کیوں ڈالے گئے؟ کسی نے کہا ہمزور ایسا کیا ہوگا، کسی نے کہا اسے ایسا نہیں ہو سکا، لیکن یہاں جیل میں یہ سب ہالے ختم ہو گئے، اور ایک دوسرا ہالہ اس صورت دیرت کے "ماہ و تابان" کے گرد دکھائی دینے لگا، یہ تھا احترام و اعتماد اور تحسین و تعریف کا ہالہ۔

احسان کا مفہوم بھیانک خوابوں سے زیادہ قابل فکر بات حضرت یوسفؑ نے محسوس فرمایا **انفی انزلک من المحسنین** یعنی آپ ہم کو ان لوگوں میں سے دیکھائی دیتے ہیں جو احسان کرتے ہیں۔

احسان کا مفہوم بھیانک خوابوں سے زیادہ قابل فکر بات حضرت یوسفؑ نے محسوس فرمایا **انفی انزلک من المحسنین** یعنی آپ ہم کو ان لوگوں میں سے دیکھائی دیتے ہیں جو احسان کرتے ہیں۔

کامیاب علم سے، اور یہ لوگ اسی طرح کی باتوں کو زندگی کا اہم ترین مسئلہ سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک رنج و راحت، کاروائی، کامیابی کا تصور یہاں دو روزہ زندگی سے وابستہ ہے۔ حضرت یوسفؑ آغوش نبوت کے پروردہ تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں بھیرت کی دولت عطا فرمائی تھی، رسالت خداوندی کے لئے ان کے مزاج کو ڈھالا گیا تھا وہ سمجھ گئے کہ یہ دونوں قید و بند کے ذوق جس حقیقت کو فراموش کر رہے ہیں، وہ ان خوابوں سے کہیں زیادہ قابل فکر بات ہے وہ حقیقت ہے، ایمان باللہ کی، یعنی اس ذات پاک پر ایمان جو اس کائنات کا خالق و مدبر ہے، اور وہ حقیقت ہے توحید کی جس میں شرک کی آمیزش نہ ہو، اور کیا اس زندگی کی (خواہ کتنی ہی طویل ہو)۔ حقیقت ایک خواب سے زیادہ ہے؟ ان دونوں رفیقان قید و اسارت کو اس طویل خواب کی تعبیر ماننا زیادہ ضروری تھا۔ اور اس کے زیادہ محتاج اور ضرورت مند تھے، اور اس کا بھولنا یا فراموش کر دینا زیادہ خطرہ اور سخت نقصان کی بات ہے، حضرت یوسفؑ کو جو اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر جڑتے ہمدردی اور لوگوں کی توجہ کا کا ذوق عطا فرمایا تھا، اس کا تقاضہ یہی تھا کہ حضرت یوسفؑ انھیں اسل خطہ سے آگاہ فرمائیں، اور ان کو ایسی باتیں جو ان کے لئے بنیادی طور پر نفع بخش ہو اور خاص طور پر اس وقت جبکہ بات سمجھنے کے لئے ذہن تیار ہو چکا ہے اور دلخیز بریک و چمک لگ چکا ہے، خواہ کسی معمول ہی سبب کی بنیاد پر، بہر حال یہ ایک موقع ہے بات سمجھانے کا اور ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد ایسا موقع ملے۔ لہذا حضرت یوسفؑ نے مناسب سمجھا کہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے، اور ان کے دلخیز کی نرم مٹی میں ایک اچھا تم ڈال ہی دیا جائے، خواب کی تعبیر نے ایک ایسی تقریب اور مناسب سلسلہ کام پیدا کر دیا ہے، اس کے ذریعہ اللہ کے دین کی طرف دعوت دی جائے، اور ان کی فطرت سلیم کو بیدار کیا جائے کہ وہ واضح اور قابل فہم عقیدہ توحید کو پاس کریں۔

احسان کا مفہوم بھیانک خوابوں سے زیادہ قابل فکر بات حضرت یوسفؑ نے محسوس فرمایا **انفی انزلک من المحسنین** یعنی آپ ہم کو ان لوگوں میں سے دیکھائی دیتے ہیں جو احسان کرتے ہیں۔

احسان کا مفہوم بھیانک خوابوں سے زیادہ قابل فکر بات حضرت یوسفؑ نے محسوس فرمایا **انفی انزلک من المحسنین** یعنی آپ ہم کو ان لوگوں میں سے دیکھائی دیتے ہیں جو احسان کرتے ہیں۔

۲۵ مئی ۱۹۹۵ء

پہلے یہ بھی اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہئے، آداب میں اس کی بڑی اہمیت ہے، اگر ایسا نہ ہو تو بات کا حسن ختم ہو جاتا ہے، جس طرح ایک پر شکوہ اور حسین عمارت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا پھانسی بھی دیدہ زیب اور عالی شان ہو جس کو دیکھتے ہی عمارت کی اہمیت معلوم ہو اور آدمی اندر داخل ہونے میں سہولت و مسرت محسوس کرے۔ حضرت یوسفؑ نے اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح فرمایا کہ میں نے تو ان کو طعن کیا کہ وہ ان خوابوں کی تعبیر نہ سکتے ہیں۔ اور جس مقصد سے یہ لوگ ان کے پاس آئے ہیں، اس میں ان کو کامیابی ہوگی انھوں نے انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی ہے، وہ صحیح منزل پر گئے ہیں، جس شخص سے انھوں نے رجوع کیا ہے، وہ اس کام کا اہل ہے، جس کی انھیں ضرورت ہے، اور جو ان کو اس ذہنی الجھن سے نکال کر صحیح طریقہ عمل بتا سکتا ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ ایک ضرورت مند یہ چاہتا ہے کہ اس کی ضرورت جلد سے جلد پوری ہو جائے، ایک مریض جب کسی معالج کے پاس جلتے کہ وہ اس مریض کی تشخیص کر کے دوا تجویز کرے اور وہ معالج مال شول کرنے لگے یا یہ کہنے لگے میں تمہاری دیکھ کر بتا سکتا ہوں گا ذرا میں سلطان ڈاکٹر، فلاں حکیم سے مشورہ کروں تو مریض کا دل ٹوٹ جائے گا۔ اور وہ مایوس ہو کر واپس چلا جائے گا۔ اور شاید دوبارہ کبھی اس معالج کی طرف رجوع ہی نہ کرے، لہذا گفتگو کا پہلا جز یہ ہوتا ہے کہ طالب حاجت کے دل میں اعتماد پیدا کر دیا جائے کہ وہ جس کے پاس آیا ہے، وہ کار برآری کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی۔ **قال لا یتیکما حلما من رزقہ الا اننا تکما** بتا ویسلہ: فرمایا: جو کھانا تم کو ملے گا وہ تم کو ان کی تعبیر بتا دوں گا یعنی ان کی ضرورت بتا کر پوری کر دی جائے گی، اس طرح کو جو پوچھنا چاہتے ہیں، اس کا جواب ان کو بوجھت مل جائے گا، ظاہر ہے کہ وہ دونوں قید تھے، اور جیل خانہ کے قوانین کے پابند، زیادہ دیر تک حضرت یوسفؑ علیہ السلام کے پاس نہیں بیٹھے ہوتے تھے، لہذا حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ:

تمہارا کھانا (جو آیا کرتے) پہنچنے میں
نہایتے گا کہ میں تم کو خواب کی تعبیر بتا کر
رخصت کر دوں گا۔
اس آیت کی تفسیر دو طریقوں سے
کی گئی ہے۔

پہلی تفسیر:

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:
لَمَّا يَأْتِيكَمَا طَعَامٌ رَّزَقْنَاهُ
فِي الْمَنَازِلِ فَكُلَا مِنْهُمَا
وَأَسْبِغْ يَدَيْكَمَا
وَأَقْبِلْ عَلَيْهِمَا
وَلَا تَمُوتَا فِيهَا
وَأَقْبِلْ عَلَيْهِمَا
وَلَا تَمُوتَا فِيهَا
وَأَقْبِلْ عَلَيْهِمَا
وَلَا تَمُوتَا فِيهَا

دوسری تفسیر:

پہلی تفسیر جو اد پر بیان کی گئی میرے
نزدیک قابل قبول نہیں ہے، اولاً اسے
کہ غیب میں کیا ہے اس کی نشان دہی اس
ثابت نہیں ہوتی ہے جیل خانوں میں کھانے
کے متعدد اقسام و انواع کے نہیں دینے جاتے
ایک ہی دھرم کے کھانے الٹ پھیر کر دینے
جاتے ہیں، ہر قیدی آسانی سے قیاس
کر سکتا ہے کہ کھانے میں کیا نئے والا ہے
اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کون
کی غیر معمولی صلاحیت کا اظہار ہوتا ہے
تورات میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف کے
پہر قیدیوں کے کھانے کا انتظام بھی تھا
اگر یہ سچ ہے تو بات اور بھی معمولی ہوتی
ہے، ایک شخص جو با درجہ خانہ کا منتظر ہے
وہ کسی کو بتلے کہ آج کھانے میں کیا
دیا جائے گا، اس میں کون سی قابلیت ہے؟
بیراجمان یہ ہے کہ اس آیت
کی وہ تفسیر درست ہے (جو بعض تفسیروں
میں ہے) جس میں اس آیت کا مطلب
بتایا گیا ہے کہ "تمہارا کھانا آنے بھی نہ
پائے گا کہ میں نہیں خواہوں کی تعبیر بتا دوں گا"
تاکہ ان خواب دیکھنے والے قیدیوں
کو اطمینان ہو جائے کہ ان پر نہیں ہوگی
اس کی نوبت نہیں آئے گی کہ جیل کا نگراں
آکر ڈالنے اور کہے کہ اپنی اپنی جگہ جاؤ
"یہاں تم کیسے آئے؟" کیوں آئے؟
مگر حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت
میں بھی خاص امتداد تک تھا، کھانے

کے اوقات متعین تھے، کھانے کا وقت
آچکا تھا، اس لئے حضرت یوسف نے
فرمایا کہ کھانا جو آ رہا ہے اس کے آنے سے پہلے
میں تم کو تعبیر بتا کر نوافل کر دوں گا۔
مخرب اور پسندیدہ چیز کے
ذکر سے طبیعت میں نشاط
پیدا ہوتا ہے:

ایک نکتہ ابھی سمجھ میں آیا کہ
قیدیوں کے لئے کھانے کا ذکر بہت
پسندیدہ ہوتا ہے، لہذا حضرت یوسف
نے کھانے کا ذکر فرمائے تاکہ ان کے اندر ایک نشاط
پیدا کر دیا، کھانے کا ذکر ہر ایک کے لئے
پسندیدہ ہے، چو جائیکہ قیدیوں کے لئے آئے
تو اور بھی رغبت کی چیز ہے لہذا جب
حضرت یوسف نے اس کا ذکر کیا تو ان کے
دل کھل اٹھے اور مزید باتیں سننے کے لئے
کان آمادہ ہو گئے۔

پھر مزاج نبوت ابھر کر سامنے
آتا ہے، تعبیر خواب کی صلاحیت کو اپنی
قابلیت پر محمول نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ
کے فضل کا نتیجہ بتاتے ہیں، اور یہی وہ
بات کا رخ پھرتے ہیں، اس درجہ کے
حکیمانہ "گریز" کی شاید ہی کوئی مثال ملے
فرمایا: "ذَلِكُمْ مَاعِلْمِي رَجَبٌ"
یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے لئے کھلائی
ہیں اور نصیحت کی جرات کرنا چاہتے تھے اس کا
سرا ہاتھ آ گیا۔
خوب فرمائیے، خواب کی تعبیر سے
پہلے کس درجہ حکیمانہ اسلوب میں دعوت
و تبلیغ کا فرض انجام دیا، یہی بات اگر
سیدھے سیدھے بغیر گفتگو کا رخ موڑے
ہوتے کہتے تو وہ قیدی سننے کے لئے تیار
نہ ہوتے، کیونکہ وہ بھیانک خوابوں کی
دجسے خوف زدہ تھے وہ چاہتے تھے
کہ جلد سے جلد کوئی ان کو اطمینان کی بات
بتائے، وہ کہاں تھیں ہوتے تھے کہ
طویل طویل باتیں سنیں، مگر حضرت یوسف
نے جب یہ فرمایا کہ اس تعبیر خواب کے بیان
کرنے میں میرے علم نہیں، ذہانت و ذکاوت
کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ
کا فضل ہے جس نے مجھے یہ صلاحیت
عطا فرمائی ہے، اور اس بات سے ان کو
دعوت الی اللہ کی بات کا سرا ملتا ہے، جو
اس درجہ لطیف، سبک رو اور طبیبانہ
کے لئے قابل قبول ہے کہ کوئی انکار نہیں
کر سکتا تھا۔

دعوت کے اس حکیمانہ اسلوب پر
اس طرح غور کیجئے کہ اگر حضرت یوسف
ان خواب دیکھنے والوں کو اس طرح
مخاطب فرماتے کہ "میرے سرور و ساتھیوں
ذرا صبر کرو، میں آپ کے خواب کی
تعبیر بھی بتا دوں گا، لیکن سنئے! اس
دنیا میں اس خواب کے بڑھ کر بھی اہمیت
اور فکر کے لائق ایک بات ہے ظاہر ہے
وہ لوگ جو مجھ سے ہرگز بات نہ سنئے،
خاص طور پر ایسے موضوع پر گفتگو جس
کے وہ عادی نہیں تھے، اور یہ نہ سننے کے لئے
آئے تھے، لہذا حضرت یوسف نے گفتگو
کا موضوع بغیر بدلے ہوئے سلسلہ کلام
کو جاری رکھتے ہوئے بلکہ ایک ہی سانس
میں فرمایا:

ایک دانش اور سبک سیرا میں دعوت کی طرف رہے سخن کا پھیر دینا

ذَلِكُمْ مَاعِلْمِي رَجَبٌ
یہ ان باتوں میں سے ہے جو
میرے لئے کھلائی ہیں۔
(یوسف ۲۷)
آپ اس ماحول کو اپنی نگاہ میں رکھتے
جس میں یہ دعوت دی گئی ہے، اس حکیمانہ
اسلوب میں جس کی مثال اگر نہیں ملتی ہے
تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی دعوت میں جس کا ذکر بعد میں کر دوں گا
لیکن اس کے علاوہ دعوت دین اور اعلیٰ
دین کی طویل تاریخ میں مجھے اس زیادہ
نازک ماحول نہیں نظر آتا اور نہ اس سے
زیادہ لطیف پیرائے بیان ملتا ہے جہاں
سے بات شروع کی ہے: "لَمَّا يَأْتِيكَمَا
طَعَامٌ رَّزَقْنَاهُ" سے آیت۔
"ذَلِكُمْ مَاعِلْمِي رَجَبٌ" تک
پڑھئے، اور دیکھئے کس طرح رب کے
لفظ سے تو حسیک و عطف کا راستہ نکال
لیا ہے، کیا اس سے زیادہ سہل، لطیف
قابل قبول اور تیزی سے بات کا رخ بدلا
جا سکتا ہے؟ گویا وہ فرماتے ہیں، میری
کیا حیثیت کہ آپ کے خوابوں کی تعبیر بتاؤں
میں کمزور و درمندانہ انسان میرا پیے اوپر
بس نہیں چلتا، لوگوں نے مجھے جیل خانہ
میں دھکیل دیا، اور میں ان کا مقابلہ نہ کر سکا
میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا ہوں اور
اس صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا ہوں اور
اس صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا ہوں اور
اس صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا ہوں اور

میرا جیسا کمزور و درمندانہ انسان جو قیدیوں میں ڈال دیا
جائے اور اپنے آپ کو بے بس پاتا ہو۔
اس کی کیا مجال کہ اس بلند مقام پر اپنے
کو فائز سمجھے کہ علم و بصیرت کی بات کیجئے
یہ شخص اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے
مجھے علم عطا فرمایا۔

جادو صد سالہ کو حضرت یوسف ایک لمحہ میں طے فرماتے ہیں

یہاں ایک اور سوال اٹھاتے
ہیں، میرے رہنے یہ علم مجھے کیوں
دیا، دعوت الی اللہ کی طرف لوگوں کا
ذہن منتقل کرنے کا ایک اور پیرائے
ملتا ہے، دراصل یہ طویل طویل راہ تھی
جس کو حضرت یوسف نے اپنی حکمت و
بصیرت، تابناک روحانیت روشن
ضمیری، اور اللہ کی عطا کردہ فکر رسالے
ذریعہ ایک لمحہ میں طے فرمایا، یہ راہ جسکو
جادو صد سالہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا
اور جس کو حکمران و فلاسفہ بر سہا برس
میں طے کرتے، حضرت یوسف کی
پیغمبرانہ وقت نے چشم زدن میں طے کر لی
فرمایا:
ذَلِكُمْ مَاعِلْمِي رَجَبٌ
تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ
(یوسف ۳۷)
یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے
بدرود گارنے مجھے سکھائی ہے، جو
دلگ خدا پر ایمان نہیں لائے اور
دوزخ آخرت کا انکار کرتے ہیں، میں
ان کا مذہب چھوڑے ہوتے ہوں۔
اتلہ کرنے کے بعد حضرت یوسف نے
محموس فرمایا کہ وہ اب ایک محفوظ
پوزیشن میں ہیں، ایک بلند مقام پر فائز
ہیں، گویا وہ ایک پہاڑ پر یا ٹیلے پر چڑھ
کر تپتے والوں کو مخاطب فرماتے
ہیں کہ:
يٰۤاَصْحٰبِ السِّجْنِ اَرْسَلْنَا
مَتَفَرِّقُوْنٰ حٰخِرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ
الْقَهْرُ الْمُنِيْعُ
(سورہ یوسف - ۳۸)
جن چروں کی تم خدا کے سوا پرستش
کرتے ہو، صرف نام ہی نام
ہی جو تم نے اور تمہارے باپ دادا
نے رکھے ہیں۔ خدا نے ان کی کوئی
سند نہیں بنا لی۔
یہ نام ہی گران کا کوئی سمسلی

تیر جات لکھنے
میں جیل خانے کے رفیقو! بھلا
کئی جدا جدا آتے آتے تھے یا ایک
فدا کرتا وغالب؟
اگر حضرت یوسف یہ بات
کہہ دیتے تو ان رفیقوں کے کان پر یہ بات
گراں گذرتی، نہ اس کو ان کا قلب و ذہن
قبول کرتا، لیکن اب موقع آ گیا تھا کہ
پہیں اور ان کا حق تھا کہ کہیں "اے میرے
جیل کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آتے
آتے تھے یا ایک خدا بیکتا وغالب؟" یہاں
کلام کی ترتیب تقدیم و تاخیر اور قرآن کریم
کی ترتیب کلام قابل غور ہے، اور اگر وہ
سابق سلسلہ کلام جاری رکھتے تو خشک
اور بے جان بات ہوتی لیکن حضرت یوسف
نے اپنی بصیرت سے اندازہ کر لیا، اور
اپنے مخاطبین کے چسکے پر اطمینان کے
آثار دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب یہ لوگ اس
صدائے آسمانی کو سننے کے لئے گوش برآواز
ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام ہے، جو
اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اپنے بندوں کو
سنے رہا ہے، فرمایا:

"يٰۤاَصْحٰبِ السِّجْنِ اَرْسَلْنَا
مَتَفَرِّقُوْنٰ حٰخِرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ
الْقَهْرُ الْمُنِيْعُ"
اس لہجے کو دیکھئے کس
درجہ پہلے لہجے سے مختلف ہے پہلا لہجہ
(جس میں "ذَلِكُمْ مَاعِلْمِي رَجَبٌ"
کہا تھا، الخ) نرم تھا، اس میں گداز
تھا، مگر یہ لہجہ جس میں وہ کہہ رہے ہیں "یَا
جَدًّا اَقَاتِيْكُمْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ كَفَرَ
بِاللّٰهِ اِنَّكَ كَاذِبٌ بَلِيْغٌ"
قوت و اعتماد کا اظہار کر رہا ہے، اس سے
بھر پور خود اعتمادی جھلکتی ہے، اور یہی
لہجہ اور اسی انداز کی بات وہ آسانی سے
سمجھتے تھے، اگر حضرت یوسف یہاں پر
منطق اور علم کلام کی زبان میں بات کرتے
تو ان کی سمجھ میں نہ آتا۔

ایک قرآنی معجزہ

بھڑ فرمایا:
ماتعبدون من دونه الا السماء
سسميتوهما انتم واباءكم
ما انزل الله بهما من سلطان
(سورہ یوسف - ۳۹)
جن چروں کی تم خدا کے سوا پرستش
کرتے ہو، صرف نام ہی نام
ہی جو تم نے اور تمہارے باپ دادا
نے رکھے ہیں۔ خدا نے ان کی کوئی
سند نہیں بنا لی۔
یہ نام ہی گران کا کوئی سمسلی

نہیں ہے، یہ نام ہی جن کی کوئی حقیقت نہیں
ہے، کچھ نام یوں بناؤں گے تصنیف کرنے
ہیں، کچھ نام بت پرست قوموں نے رکھے
چھوڑے ہیں، اور اسی طرح دوسرے
لوگوں نے بغیر کسی وجہ کے حرف اپنے
ادہا کے بت بنائے، اور ان کا نام رکھ
دیا، اور دنیا میں ہر قوم کا ایک مستقل
علم الاصنام (MYTHOLOGY)
تیار ہو گیا۔ قرآن کریم کا اعجاز یہ ہے کہ
ان دہائی چیزوں کے لئے جن کا کبھی کوئی
وجود نہیں تھا "اسما" کا لفظ استعمال
کیا ہے، جن لوگوں کی مذاہب عالم کس
تاریخ پر نظر ہے، اور جو علم الاصنام کی
تاریخ جانتے ہیں، وہی اس لفظ کی موجودگی
حیثیت کا اندازہ کر سکتے ہیں، یہ صفت
نام ہی نام ہیں، یہ معبود کہاں اور کب
پائے گئے؟ کہاں اور کب بارش کا خدا اور
جنگ کا خدا تھا؟ اور کس زمانہ میں اور
کس جگہ، خدا نے جمال اور غلے کی محبت
کا وجود تھا؟ یہ الٰہ کہاں اور کس صدی میں
ہوتے تھے، ان کا وجود ادہا و نظرون کی دنیا
سے باہر کبھی پایا گیا؟ قرآن کریم نے بتایا کہ
صفت نام ہی نام ہیں جنہیں تم نے اور تمہارے
آباد اجداد نے اپنے دل سے گڑھ لیا ہے،
اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی سند
نہیں ہے۔

قرآن کریم کا یہ معجزہ، وہی آیت نامک
کے لئے قائم ہے۔ بت پرستی بھی اسی طرح
کے اسماء کا مجموعہ ہے، قرآن کریم نے ان کا
پول ان دو لفظوں میں کھول دیا۔ ان ہی
الاسماء "یہ صفت نام ہی نام ہیں۔

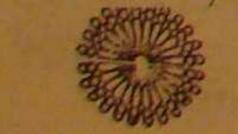
ایک ایسے داعی کا طریق کا جو اللہ کی طرف سے ہوا نعمت سے سرفراز ہے

حضرت یوسف نے اس موقع
پر محسوس فرمایا کہ ان کے دل و دماغ کا خلا
پُر ہو چکا ہے، اور اب حکمت کا تقاضا ہے
کہ بات کو طویل نہ دیا جائے، اور تو حسیک و
مضمون زیادہ پھیلا کر نہ بیان کیا جائے
ایک ماہر طبیب جانتا ہے کہ مریض کو کتنی
غذا اور کس مقدار کی دوا (Dose) درکار ہے،
درکار ہے، مریض کی ضرورت اور قبولیت
کی صلاحیت وہ جانتا ہے، یہی ایک ایسے
داعی کا طریق کار ہے جو اللہ کی طرف سے
ادہا کی نعمت سے سرفراز ہے، اور جس کو
اللہ تعالیٰ نے دعوت کی صلاحیت دی ہے،

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

سوال: ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس نے
نماز کے باہر تلاوت کرنے والے سے
آیت سجدہ سن لی۔ تو وہ سجدہ تلاوت
نماز کے اندر کر سکتا ہے یا نہیں۔
جواب: نماز میں سجدہ نہ کرے بلکہ نماز
کے بعد کرے۔ اگر نماز کے اندر سجدہ
کر لیا تو ادا نہ ہوگا۔ البتہ مفسی بہ قول
کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔
سوال: کسی شخص نے سجدہ تلاوت میں
تقدیر لگایا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔
یا نہیں؟
جواب: سجدہ تلاوت میں تقدیر لگانے
سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ البتہ وہ
سجدہ معتبر نہیں ہوتا ہے۔
سوال: اگر نماز کا وقت آئے پر مجھوں
اذان دیدے تو اذان ہو جائے گی یا نہیں؟
جواب: مجھوں کی دہی ہوئی اذان معتبر
نہیں ہوگی۔ اذان کا اعادہ لازم
ہوگا۔
سوال: اگر عورتیں باجماعت نماز
پڑھیں تو اقامت کہیں کی یا نہیں؟
جواب: عورتوں کا جماعت کرنا اور
وہ جانتا ہے کہ ایک مرکز پر پہنچنے کے
بعد اس سے تیار نہ کرنا چاہئے۔
یہی سبب ہے کہ جو شخص دعو
و تبلیغ کو اصول و قواعد کی حد بندیوں میں
محصور کرتا ہے، وہ دراصل اس کا کردار
کو محدود کرنا ہے، دعوت، نشاط، جوش
اور حرارت کی تقاضا ہے، داعی اور مبلغ
پر بھی یہ تسلیم ہے کہ اس کو ضوابط کا پابند
نہ کر دیا جائے۔
سوال: مولف نے "ریح انانی" سے کلام
... میرے سرور کی اسلامی بیعتوں کی ہاں میں جھکت
دعوت کے فروغ پر ایک تقریر کی تھی جس کا
عنوان تھا "حکمة الدعوة و صفة الدعاء"
(دعوت میں حکمت کا پہلو، اور دعو کی اہمیت)
اس محاورہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت
کا ذکر تھا، اور اس میں اولیٰ نکات اور دعوت
کے تاریخی پہلو سامنے آئے تھے، لہذا اس خطبہ
کو بھی سابقہ محاورہ کے ساتھ ضم کر دیا گیا۔



مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مشائیر کے خطوط

شیخ محمد محمود صوفان

سیکری ساحة الأئمة الأجل العلامة الجليل
السيد ابوالحسن علي الحسيني الندوي الحترم

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته
وحيمة من عند الله مباركة طيبة أيتها إنا نفسكم الكبرية الطيبة

صعوبة بالشرقة واطمئنان والتقدير والاحترام
آپ کے گرانقدر ہدیے سے شرف ہوا۔ آپ کی اس عنایت پر شکر گزار دل
آپ کی صحت و سلامتی اور دماغی حرک و دعائلی تاکہ لوگ اس روحانی فذلے فیضیاب
ہوتے رہیں جو آپ کی عری خواؤں کو پیش کی ہیں۔ کاش صبر مستاد اور کاش کو عالم عربی جس سے
آپ بہت زیادہ خوش گمان ہیں وہ بھی مستاد۔ آپ نے اس سے جو کچھ کہلے اس کو وہ سمجھا اور
یاد رکھا، وہ آپ کی نصیحتوں کو حرج جان بنا تا تو کامیاب و باراد ہوتا، خوشترقی اس کا دامن
تھامت، لیکن انوس کو عالم عربی کو اس کے سربراہوں اور حکام نے فلاح کر دیا ہے۔ اور
اسے فلفل راستہ پر ڈال دیا ہے۔

میرے محترم بھائی، ہم یہاں آپ کے خوش کن جہاد کی خبریں معلوم کرتے رہتے ہیں
اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، اور اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے کج مزاجی خیر خطا فرمائے۔
ہر شرفیابی حق تشریف آوری کے مشاق و منظور ایک لکھن ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو جس
روحانی فیضان سے نوازے اس سے سیراب ہوں، ہماری پروردگار ہے کہ آپ زمین
دجلہ فرات پر اپنی تشریف آوری کے وقت سے مطلع کریں۔ تاکہ ہم آپ کے استقبال اور
شرف ملاقات کے لئے حاضر رہیں جس کا دل بے قرار و مشتاق ہے۔

ہم نے پاکستان کا سفر کیا اور موتمر اسلامی میں شریک ہوئے، کراچی اور حیدرآباد
سندھ میں تبلیغی جماعت کے اجا کے اور اس زبردست مبارک تحریک سے خوش ہوئے، آپ کا
تذکرہ ہر وقت رہتا تھا، آپ ہر وقت نگاہوں میں ہوتے تھے۔ اور آپ کی عدلے بازگشت
کانوں میں گونجتی رہتی تھی۔ انجمن "الاعوۃ الاسلامیہ" آپ کو پرغلوں سلام پیش
کرتے ہے۔ اور ابھی آپ کو پر جوش و شانداز خوش آمدید پیش کرتے ہے۔ صدر انجمن
شیخ طاهر امجد زہادی آپ کو بہت بہت سلام پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح انجمن کے اراکین
حضرات اسحاق طہ فیاض، ڈاکٹر تقی الدین ہلالی، ڈاکٹر محمد فیاض، جناب عبدالرحمن
نصر السامی اور سبھی نوجوان سلام شوق کا ہدیہ پیش کرتے ہیں۔
خیر میں آنجناب کو اپنے محب و دوست کا بہت بہت سلام شوق پہنچے۔

حواشی: ۱۔ سید عالم، مؤلف خطیب، شیخ محمد محمود صوفان پیدائش دہن دونوں امتبار سے حق، اور سکونت و پناہ گزینی کے امتبار سے کی، جامع ادب سے نابع ہوئے اور تحریک ایمان المسلمین
میں شامل ہوئے، تحریک ایمان کے بانی دست امام حسن البنا شہید سے گہرا ربط قائم کیا، اختیار سمجھالا اور جنگ المسلمین میں شریک ہوئے، عراق میں انجمن "الاعوۃ الاسلامیہ" اور انجمن ثقافتین
تاریکی، بیروت کے ملک کے لئے ہونے والی حالات نے حکومت سعودیہ منتقل ہوجانے پر مجبور کیا، جہاں انھوں نے "اتحاد اسلامی کے قائم اور ملک کے بادشاہ، ملک فیصل کا اعتماد قدر دانی حاصل کیا، اور ان کے
خبر کی خوشخبری سے لطف و غیور میں کام کیا، پھر وہ سعودی وزارت تعلیم کے مشیر منتخب ہوئے، اور رابطہ عالم اسلامی کے قیام کے وقت سے اس کے بنیادی رکن منتخب ہوئے اور ہیں اللہ تعالیٰ
ان کی عمر میں برکت سے اور ان سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچائے۔

۲۔ حضرت مولانا کے رسالہ "اسمی یا معروہ کی طرف اشارہ ہے۔
۳۔ حقان کے جسے عالم ادب استاذ الامام دلالہ، طاهر مومن خیر شیخ امجد زہادی۔

والسلام
محمد محمود صوفان
۱۲ شعبان ۱۴۱۲ھ
۱۴ مئی ۱۹۹۱ء

شیخ محمد محمود صوفان

حضرة الأئمة الفضائل الأستاذ الكبير ابوالحسن علي الحسيني الندوي
حفظه الله وابقاه — السلام عليكم ورحمة الله وبركاته
وتحيته مباركة طيبة انا نفسيك الطيبة الطيبة، ادام الله
عليك نعمة، وبارك في جهادك وحياتك الغالية.

آپ کا گرامی نام مجھے بغداد کے زمانہ قیام میں ملا تھا، ہمیں ان احباب کرام سے
ملنے کا شرف حاصل ہوا، جنہیں آپ کا عکس پایا جاتا ہے، اور آپ کے اخلاق وادب کے حاصل
ہیں۔ میری بڑی تمنا تھی کہ بغداد میں ہمارا قیام طویل ہوتا، تاکہ میں ان کا تعارف کرنا اور
ان احباب کرام کا جو ایک عہد و کردار انھیں دست کے نتیجے ہوئے ہیں، وہ دوست جس کی
محبت پر خدا گواہ ہے اور جس کے لئے ہم ہر خرید کامیابی کی تمنا کرتے ہیں۔ حق اور پناہ خیر
ادا کرتا۔

میرے محترم دوست غفلتین کی موجودہ صورت حال سے کچھ ٹھوٹے ٹھوٹے ہوتا آؤ
دل بچھا جاتا ہے جب ہم نے خود حالات کو دیکھا اور جاننا تو قدس میں موتمر اسلامی قائم کی۔
چنانچہ یہ موتمر انداز سے زیادہ کامیاب ثابت ہوئی۔ لیکن ہر حال حال کار و مدار
نیٹوں پر ہے ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم اس موتمر میں حقیقی اور عملی اقدام کریں گے۔ (معاملہ نشتر
دگفتن و برضا سن پر ختم ہو)۔ تقریروں سے مسائل حل نہیں ہوئے، اور نہ اس سے
اجتماعات سے جو سلسلے تک و دو دو کی روح سے خالی ہوں۔ ہم نے موتمر کے لئے ایک مستقل
آفس قائم کر دی ہے اس شرط پر کہ اس کے ارکان قدس ہی میں رہیں، اور ان سب کے لئے
تنخواہیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ ہم نے آفس کے لئے ایک مرکز اجرت پر لے لیا۔ اللہ کی ذات
سے امید ہے کہ یہ جہاد اسلامی کام کرنا ثابت ہوگا۔

موتمر نے کچھ جماعتیں منتخب کر لی ہیں جو عالم اسلام کا دورہ کریں گی اور اس کو یہاں
کے حالات سے باخبر کریں گی۔ ایسے اسلامی شعور مباد کریں گے، ساتھ ہی ساتھ وہاں کے
تاجروں اور صاحب ثروت لوگوں سے مالی اعانت بھی حاصل کرنے کی کوشش کریں گی۔
تاکہ اس مرکز کو چلایا جا سکے جس کے بارے میں ہماری توقع ہے کہ وہ تمام اسلامی مسائل
کی فکر کرے گا۔ اور اسلام کی راہ میں کام کرنے والوں سے ملاقات کا ذریعہ اور مرکز ہوگا۔
ہم نے عراق میں مالی تعاون حاصل کرنے کا کام شروع کر دیا ہے بفضل تعالیٰ

تقریباً پانچ لاکھ روپے جمع ہوئے ہیں، کھجوریں، چادریں، اور لباس وغیرہ اس کے علاوہ
ہیں۔ ہم نے دو بڑے بڑے پلیٹ قدس بھیج چکے ہیں، ہمیں امید ہے کہ ہم مرکز کو یہ
مالی استحکام ملے سکیں گے، اور ہتھیار بھی مہیا کر سکیں گے، تاکہ وہ مجاہدین کو مسجد اقصیٰ کی
حفاظت کے لئے منظر کر سکے، جس کو ہر طرف سے یہودیوں نے گھیر رکھا ہے اور ہر وقت
اس پر قبضہ کرنے کی دھمکی دیتے رہتے ہیں۔ پاکستان اسی مقصد سے آنا ہوا، اسلامی اداروں
سے رابطہ قائم کرنے سے ہم کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے اور اس اہم منصوبہ میں انھوں نے
تعاون کی جو آمدنی ظاہر کی ہے اس میں کامیابی کی توقع ہے، اس کامیابی سے یہ امید
ہے کہ جب ذمہ داروں سے ملیں گے تو کامیاب و باراد ملاقات ہے گی۔

(بقیہ صفحہ ۱۳ پر)



فانی انکی یادوں کا میں

ایک تاثیر

محمد خالد غازی پوری

زندگی کے بے ثباتی آفتاب کے
طلوع و غروب کا منظر دیکر دنیا میں کسی
چیز کو قرار نہیں، اور نہ ہی دوام حاصل
ہے جو آیا ہے اسے ایک روز جانا ہے اور
جو جا چکا ہے اسے اپنی منزل کو پایا۔ مگر
جانے والے بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں۔
کسی کے جانے سے بساط زندگی کے
رہنمائی نہ متاثر ہوتی ہیں اور نہ ہی کسی
مصل و انجمن میں اس کی کمی محسوس ہوتی
ہے، نہ فلا کا احساس ہوتا ہے نہ تذکرہ
دچرا، نہ آہ و بکا، نہ یادیں اور حشریں
نہ فغان کرب اور احساس اندوہ و الم
"فما یبک علیکم السماء
والارضیٰ"

لیکن کچھ جانے والے ایسے بھی
ہوتے ہیں جن کی یادیں رلاتی ہیں۔
ان کے تذکرے قائم رہتے ہیں۔ اور جس
طرح پس ہر میں انجمن کی تابانی نہیں
جاتی۔ اسی طرح ان کے وجود کا نور زندگی
کی شام میں ہر طرف چاندنی کی طرح
پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اہم منزل
مقصود کا پتہ دیتی ہے۔
یہ کمال زندگی ہے کہ جب آفتاب ڈوبے
تو فلک کو نور دیکھو نئی انجمن سما دے

حضرت الاستاذ حضرت مولانا
ابوالحسن صاحب ندوی انجمن لوگوں
میں سے ایک تھے، ان کی زندگی معرکہ
دو جہد میں عزم و حوصلہ کا آئینہ دار ایمان
و یقین سے لبریز آئینہ دفاع سے بہرہ ور
درو آشا، علمی شخصیت کی اور علمی وادبی
کا کمال نمونہ تھی وہ اپنی ذات میں ایک
انجمن تھے، قدرت کے فیاض ہاتھوں
نے انھیں خوب خوب نوازا تھا۔ مقتولات
کے ہر عروج کے ایک ماہر مشنار، اور
مقتولات کی فضلے بساط کے حوصلہ مند
غلا زور تھے۔

آپ کا تعلق مشرقی یوپی کے
مشہور علمی اور تاریخی شہر جون پور سے تھا
جس کو شرقی سلاطین نے اپنے علمی ذوق
اور طہار نوازی سے رنگ بڑھانے بنا دیا
تھا، جہاں باکمال بزرگوں کا قافلہ
محمد زین ہوا۔ اور جہاں نامور سلاطین
نے زانوئے تہمتہ کیا، جو زمین پر آسمان
علم بن کر تڑا، اور جس کی گھٹاؤں نے
دور دراز کے خطوں کو آسودہ دیراب
کیا، جہاں کے بے خانہ محبت سے پابند
کی ساتھی گری کی گئی، اور کتنے تشریح
کا مان پڑتے اس کے جام و فیاض
اپنی پیاس بجھائی، اس کے اتق پر کتنے
نامور علماء آفتاب و ماہتاب بن کر چلے
اور اپنی ضیاء پاشی سے ایک عالم کو نور
کیا۔ اتق علم سے ظاہر ہونے والا ایک
دعوت مند ستارہ بالا ترقیاً نصف
صدی تک نور پاشی کرنے کے بعد ہمیشہ
کے لئے فزوب ہو گیا۔
سے یہ تو خود ہے شہر کو فانی تسلیم
ہم بھی ہیں ان کی عنایت نظر بنے تک
ہمیں یاد ہے کہ مولانا مرحوم نے یہ
شوال ۱۳۹۵ھ کے اوائل میں جب کونڈی
فصلیت اول کا طالب علم تھا، اور کچھ دو
ہفتے پہلے ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ میں شاہ
معین الدین ندوی — ہاشم
دارالافتاء کی وفات حضرت آیات کا واقعہ
پیش آیا تھا۔ ان کی علمی خدمات تاریخی
معلومات شدت کی سرخیاں، اور علمی
و تحقیقی مقالات کی گھن گرج کا تذکرہ بھی
زبان پر جاری تھا، اسی سیاق میں مولانا
نے بڑے درد و حسرت کے ساتھ یہ شعر
پڑھا تھا، انوس کہ آج آپ بھی ہم
سے رخصت ہو گئے، اور اب وہی یادیں
اور تذکرے جو قلب حیران کے لئے مسلمان
تسلی ہیں۔

سائے اس طرح پیش کرتے
کہ کبھی اس کا احساس بھی نہیں
ہونے پاتا کہ یہ بھی مشکل ہے
اور درس کا امداد علیہ سب خوبی
سمجھ میں آجاتا، طریقہ تدریس
اس قدر دلچسپ ہوتا کہ نہ درس
کے دوران غنودگی طاری ہوتی
اور نہ ہی اکٹھاٹ کا احساس
ہوتا، دل چاہتا کہ وہ کہا کریں
اور ہم سنا کریں، درس کی بھی
خصوصیات تھی کہ ہر طرح کے
حشو و زوائد سے پاک ہوتا علمی
رنگ غالب ہوتا، کبھی دوران
درس کوئی عربی فارسی یا اردو کا
حسب حال شعر بھی پڑھتے، درجہ
میں ایک شفیق باپ کی طرح ہوتے
درجہ کا ماحول نہایت پر وقار
اور سنجیدہ ہوتا، کبھی ایسی بات
سبھی کہتے کہ پورا ماحول زعفران
زار ہو جاتا، لیکن اس بھی کوئی
نکتہ آفرینی ضرور ہوتی، درجہ
میں پوری تیاری کے ساتھ
جاتے، بلاغت، منطقی علم کلام
فلسفہ نیز تفسیر خواہ جو بھی فن ہو
آپ پڑھاتے نہ صرف اس کتاب
کی تعلیم پر اکتفا کرتے بلکہ اس
فن کے متعلقات سے بھی طلباء
کو مستفید فرماتے۔

اپنی علمی سر و قامت کا کبھی
آپ نے اظہار نہیں کیا، لیکن ہر
فرد ان کے علم کا معترف اور
ان کی ذات کا گردیدہ تھا، مزاج
میں بے حد سادگی تھی، طبیعت
میں اعتدال کا غلبہ تھا، جس بنا پر
ہر قسم کے تعق اور غلو کو نہ صرف
نا پسند فرماتے بلکہ چٹکوں میں اس
کے مضار کو بھی فرماتے۔

ادب کا اعلیٰ ذوق تھا تاریخ
وسنن پر ایسی قدرت تھی کہ
بڑے بڑے اہل قلم اور اہل علم
ان کے تاریخی تجزیہ کو قبول کھتے
اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے، درس
و تدریس کا طویل تجزیہ ہونے کی
وجہ اکثر مدارس ان سے مشورہ
رکھا۔ اور طلباء کے لئے سرمایہ سعادت
بنی رہی وہ ان کی آسان لہجہ پر مختصر
مگر جامع انداز میں درس کی تعلیم و
و تشریح تھی، مولانا مشکل سے
مشکل مباحث کو طلباء کے
طور پر قبول تھی۔

بہر کیف میں پہلے ہی عرض
کر چکا ہوں کہ مولانا کی تمام خوبیوں
کا بیان کرنا صرف مشکل ہے
بلکہ کچھ جیلے سے بضاعت کے
لئے مجال بھی ہے، البتہ درس
بہر ضادی کا تذکرہ اس موقع پر
مناسب ہے، جس سے مولانا
کو والہانہ شہینگی تھی، اور یہ
کتاب ان کے ذوق و مزاج کے
ہر طرح موافق تھی، یہی وجہ ہے
کہ بیضاوی جس کو عام طور پر مشکل
سمجھا جاتا ہے، ان کی تدریس کے
دوران کبھی صعوبت مشکل ہونے کا
قطعاً احساس نہیں ہوا، بلکہ جس
گھنٹہ میں یہ کتاب ہوتی اس میں
مزید دلچسپی و رغبت وافر نشاط
پیدا ہو جاتا، بیضاوی شریف جب
شروع فرماتے تو معلوم ہوتا کہ
آج ہی کتاب مکمل ہو جائے گی
یعنی پوری کتاب کا خلاصہ پیش
فرما دیتے اور امام بیضاوی کے
ضمن میں ماوراء النہر کے تمام
شعور و فطرت کا تذکرہ ضرور کرتے
تقدیم مقامات جن کا تذکرہ تاریخ
یا تفسیر کی کتابوں میں موجود ہے
ان کی تحقیق اور صحیح محلی متعین کرنے
میں آپ کو اللہ رب العزت نے
بے پناہ قدرت دی تھی، درس
کے دوران اس کا بخوبی اظہار ہوتا
عام طور سے اس کا تذکرہ ملتا ہے
جس کی طلت و تفسیر کبیر امام رازی
منسوب ہیں آج سے نام کا اہل
میں کوئی قابل ذکر شہر موجود نہیں
فرماتے سے وہی ہے جس کو آج
طہران کہا جاتا ہے اسی طرح
دوسرے مقامات کا بھی صحیح محلی
متعین فرماتے مولانا کو فن قرأت
سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی،
بیضاوی پڑھانے وقت عام
طور سے وہ پوری ابتدائی بحث
یا تو چھوڑ دیتے یا پھر سرسری گذر
جاتے جہاں امام بیضاوی نے
سورہ فاتحہ کے بیان میں قرأت
کا تذکرہ کیا ہے اور مختلف قرآنی
نقل کی ہیں، رحمن و رحیم کی بحث
بیضاوی شریف میں معرکہ الآراء
بحث ہے، طلباء پر اس بحث
کے ذوق ہونے کا اثر ہوتا تو

مولانا مسکراتے اور پھر بڑی لفظ کے ساتھ پوری بحث کی وضاحت کر دیتے، عام طور سے مدرسین حوالوں کا التزام کرتے ہیں اور کسی مفہوم کی تعین میں مختلف شارحین کے اقوال کو پیش کرتے ہیں، لیکن مولانا کا اس سلسلہ میں اندازاً ایک نرالا تھا، کتاب سمجھاتے اور متعین و مشہور قول نقل کر کے گزر جاتے جو کچھ سمجھتے پر زور انداز میں اور پوری قوت کے ساتھ فرماتے، مجھے یاد ہے کہ جب سورہ بقرہ پڑھی اور الم کے محل اعرابی کی تعین پر بحث شروع ہوئی تو مولانا ام بیضادی کے سارے اشکالات اور اس کے حل کو پیش کرنے کے بعد فرمانے لگے سبحانی سارا جھگڑا یہاں مبتدا کے عام اور خاص ہونے کا ہے، اگر مبتدا کو خاص مان لو تو پھر خبر میں کوئی جھگڑا باقی نہیں رہ جاتا، لہذا الم کو اسم مان لو تو سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

مقدمین کی آراء کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے کہ بعض متقدمین کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہم ایک حرب ہے اس پر جو چیز دلالت کر رہی ہے وہ مہم ہے، بعض لوگوں نے اسے اسم کے بجائے حشر کہا ہے، لیکن حشر بمعنی المصطلح نہیں ہے بلکہ جس طرح کلمہ بول کر کلام مراد لیا جاتا ہے اسی طرح حشر کلمہ کر کلمہ مراد لیا گیا ہے اور یہ کلمات اپنے مسمیات پر دلالت کرتے ہیں۔

اہل علم جانتے ہیں کہ مولانا کا یہ کہنا کہ حشر بمعنی المصطلح نہیں ہے سارا مسئلہ ہمیں حل ہو جاتا ہے اور امام بیضادی نے طول طویل جو بحث کی ہے اس کا عطر اس میں کشید کیا ہوا معلوم ہوتا ہے الم کے سلسلہ میں عام و خاص کی بحث جب آتی تو کبھی کبھی آپ کا ذہن منطقی نظر آتا ڈھونڈتا اور پورا درس منطقی بن کر رہ جاتا، منطقی تناظر میں نحوی

محل کی تصویر بڑی دکش اور دلآویز نظر آتی، ایک دفعہ فرمایا، بعض ایسی چیزیں ہوتی ہیں کہ ایک کی استاد دوسرے کی طنز کی جاتی ہے اور بعض میں ایسا نہیں کیا جاتا۔ مثلاً الانسان حیوان، بعض انسان حیوان، اس میں انسان کی نسبت حیوان کی طنز کی گئی ہے اور یہ وجود ذہنی ہے اور یہ حیوان کا جزئی ہے جز نہیں ہے اس لئے جز و کل کی اصطلاح جو خارجی میں ہوتا ہے اور وجود ذہنی کی اصطلاح میں جزئی و کلی کہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ الانسان حیوان کا کل ہے جز نہیں اور وجود ذہنی کے لحاظ سے انسان جزئی ہے جز نہیں جز اور جزئی کی توضیح جس دلچسپ انداز میں مولانا نے فرمائی ہے حقیقت میں یہ فن پر پوری قدرت کا آئینہ دار ہے، آج بھی یہ بحث اس طرح ذہن میں محفوظ ہے جیسے ابھی درس سے چھٹی ملی ہو۔

ہدایت کا مقبول کے حق میں مخصوص ہونے کی توجیہ جب کرتے تو فرماتے "مقیوں کا اس کے ساتھ اختصاص اس لئے ہے کہ متعین ہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں، ورنہ قرآن پاک تو سب کے لئے ہدایت ہے اسی لئے تو فرمایا گیا ہدیٰ للنااس، لیکن جو تدبیر اور غور و فکر سے کام لے گا وہ ہدایت پائے گا کیونکہ حفظ صحت کے لئے غذا صالح کا ہونا ضروری ہے اور جو لوگ صاف طبیعت کے ہیں اور صاف ذہن کے ہیں ان کے لئے قرآن ذریعہ ہدایت ہے اور وہ لوگ جو تدبیر تو کرتے ہیں لیکن حشر نہیں عصیت سے وہ مسموم تو پھر یہی قرآن پاک اس کے لئے ضلالت کا ذریعہ بن جائے گا چنانچہ ارشاد ہے "ولا یزید الظالمین الا خساراً" ظالم مزید ٹوٹے میں ہوں گے۔ قرآن پاک وجہ ہدایت ہونے میں اس کا جمل اور تشابہ ہونا

ہے یا نہیں؟ مولانا اس پہلو پر سیر حاصل بحث کرتے اور بہت ہی سلیس پیرایہ بیان میں اس کی وضاحت یوں فرماتے کہ جمل و تشابہ کا قرآن مجید میں ہونا قاصر نہیں، کیوں کہ جمل و تشابہ سے جو مراد ہے اس کا بیان تو واضح ہے، ایسا تو نہیں کہ اس کی وضاحت نہ کی گئی ہو اور السراسخون فی العلم تو تدبیر کے بعد اس کے معانی بیان کرتے ہی ہیں، لہذا ان کا وجود قرآن پاک کے ہادی ہونے میں حارج نہیں ہے۔ تقویٰ کا مفہوم خدا ترسی لازمہ ایمان ہے اور تقویٰ کہتے ہیں انتہائی درجہ حفاظت کو تھدی للمتقین کے ذیل میں اس آیت کی توضیح اور مدارج تقویٰ کو یوں بیان فرماتے "جس طرح ایک شخص خار دار راستے سے چلے تو وہ انتہائی فکر کے ساتھ چلتا ہے کہ کہیں خار نہ لگ جائے، تو دنیا کو خار دار راستے سے مثال دیا ہے اور شروع میں تقویٰ نام ہے ان تمام چیزوں سے بچنا جو آخرت میں مضر ہے۔" تقویٰ کے تین مدارج ہیں (۱) توحید السمہم کلمۃ التقوی سے توحید ہی مراد ہے کیونکہ تقویٰ کا مضاف توحید ہے اس لئے کہ ایک وہ شخص جو توحید کا قائل نہیں تو اس کے اعمال حقیقت میں اعمال نہیں بلکہ اعمال صالحہ کی صورت میں ہیں، غیر مسلم کا عمل خواہ وہ اچھے صفات سے عبارت ہو آخرت کے اعتبار سے قبولیت کے لائق نہیں کیونکہ اس کے عمل میں وہ طاقت نہیں جو وہاں کام آجائے اور وہ طاقت عقیدہ کی صحت اور توحید کا اعتراف ہے اور یہ چیز ایک مسلم کے اندر پائی جاتی ہے، لہذا اس کا چھوٹا سے چھوٹا عمل بھی ایک غیر مسلم کے بڑے سے بڑے عمل سے زیادہ طاقتور ہے، لہذا تقویٰ کا پہلا درجہ شکر سے تبری کر کے

ہدایت کا مقبول کے حق میں مخصوص ہونے کی توجیہ جب کرتے تو فرماتے "مقیوں کا اس کے ساتھ اختصاص اس لئے ہے کہ متعین ہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں، ورنہ قرآن پاک تو سب کے لئے ہدایت ہے اسی لئے تو فرمایا گیا ہدیٰ للنااس، لیکن جو تدبیر اور غور و فکر سے کام لے گا وہ ہدایت پائے گا کیونکہ حفظ صحت کے لئے غذا صالح کا ہونا ضروری ہے اور جو لوگ صاف طبیعت کے ہیں اور صاف ذہن کے ہیں ان کے لئے قرآن ذریعہ ہدایت ہے اور وہ لوگ جو تدبیر تو کرتے ہیں لیکن حشر نہیں عصیت سے وہ مسموم تو پھر یہی قرآن پاک اس کے لئے ضلالت کا ذریعہ بن جائے گا چنانچہ ارشاد ہے "ولا یزید الظالمین الا خساراً" ظالم مزید ٹوٹے میں ہوں گے۔ قرآن پاک وجہ ہدایت ہونے میں اس کا جمل اور تشابہ ہونا

عذاب مخلد سے بچنا ہے۔ (۲) دوسرا درجہ ایمان کے بعد کا درجہ ہے التجنب عن کل ما یؤثم من فعل أو سواک اور بعض نے کہا کہ صفا تر بھی اس میں شامل ہیں۔ (۳) ہر اس چیز سے بچنا جو اس کے دل کو ذکر اللہ سے مشغول کرے اور یہ تصوف کا درجہ ہے اور اسی طنز اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے، واتقوا اللہ حق تقاتہ، اللہ تعالیٰ سے ڈر اس کے حق کے مطابق اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دع ما یوریک الی ما لا یریک ہر شک میں ڈالنے والی اور کھینچنے والی چیز سے پرہیز کرو۔ ختم کی حقیقت اور ہدایت سے اس کی تشریح، محرومی اور انالی شغافات کو قرآن پاک نے ختم سے تعبیر کیا ہے، ہدایت کے مفید ہونے کے بیان کے انتقام پر ختم قلوب کا تذکرہ ہے اس مسئلہ میں معتزلہ اور اہل سنت کا اختلاف ہے مولانا پہلے حقیقت ختم پر بحث فرماتے اور اس کا تعین حقیقت و مجاز کے آئینہ میں کرتے، اس موقع پر یاد پڑتا ہے مولانا نے سات توجیہیں بیان کی تھیں اور بعد ازاں محل اختلاف کو واضح کیا تھا، انادہ کی غرض سے وہ توجیہ نقل کی جاتی ہیں۔ (۱) مراد اس سے یہ ہے کہ ان کے قلوب کی تشبیہ (چوہا) کے قلوب سے دی ہے، یا ان فرضی قلوب سے دینا ہے جس پر اللہ رب العزت نے ہر کردی ہو، جیسے ہلاکت کی تعبیر کے لئے قال الودادی اور اس طرح غیبیت کے اظہار کے لئے، طالت بہ العنقا کا استعمال ہوتا ہے اور ظاہر ہے دونوں مثالوں میں تشبیہ یہ فرض کر کے، اس سے تشبیہ دی گئی ہے، یعنی ان سال کم سن سال بہ الودادی، وہ شخص ہلاک ہو گیا اس شخص کی طرح جو سیلاب کی نذر ہو گیا ہو، (دقیقہ صف ۱۰)

عذاب مخلد سے بچنا ہے۔ (۲) دوسرا درجہ ایمان کے بعد کا درجہ ہے التجنب عن کل ما یؤثم من فعل أو سواک اور بعض نے کہا کہ صفا تر بھی اس میں شامل ہیں۔ (۳) ہر اس چیز سے بچنا جو اس کے دل کو ذکر اللہ سے مشغول کرے اور یہ تصوف کا درجہ ہے اور اسی طنز اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے، واتقوا اللہ حق تقاتہ، اللہ تعالیٰ سے ڈر اس کے حق کے مطابق اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دع ما یوریک الی ما لا یریک ہر شک میں ڈالنے والی اور کھینچنے والی چیز سے پرہیز کرو۔ ختم کی حقیقت اور ہدایت سے اس کی تشریح، محرومی اور انالی شغافات کو قرآن پاک نے ختم سے تعبیر کیا ہے، ہدایت کے مفید ہونے کے بیان کے انتقام پر ختم قلوب کا تذکرہ ہے اس مسئلہ میں معتزلہ اور اہل سنت کا اختلاف ہے مولانا پہلے حقیقت ختم پر بحث فرماتے اور اس کا تعین حقیقت و مجاز کے آئینہ میں کرتے، اس موقع پر یاد پڑتا ہے مولانا نے سات توجیہیں بیان کی تھیں اور بعد ازاں محل اختلاف کو واضح کیا تھا، انادہ کی غرض سے وہ توجیہ نقل کی جاتی ہیں۔ (۱) مراد اس سے یہ ہے کہ ان کے قلوب کی تشبیہ (چوہا) کے قلوب سے دی ہے، یا ان فرضی قلوب سے دینا ہے جس پر اللہ رب العزت نے ہر کردی ہو، جیسے ہلاکت کی تعبیر کے لئے قال الودادی اور اس طرح غیبیت کے اظہار کے لئے، طالت بہ العنقا کا استعمال ہوتا ہے اور ظاہر ہے دونوں مثالوں میں تشبیہ یہ فرض کر کے، اس سے تشبیہ دی گئی ہے، یعنی ان سال کم سن سال بہ الودادی، وہ شخص ہلاک ہو گیا اس شخص کی طرح جو سیلاب کی نذر ہو گیا ہو، (دقیقہ صف ۱۰)

تعمیر جات کھنڈو ایک جیر آج بول کر دیا گیا۔ نفع مددی کا عذر گرا کسی ایک شخص کو ایسا نہیں پایا جو شیر صاحب کے شکر و سخی ہو۔ اگر کسی نے دل کھول کر توفیق پس کی تو کسی نے آج تک ایک حرف بولی کا بھی نہیں کیا۔ انھوں نے ترقی کی اور ایسی ترقی کی کہ ہزاروں کے لئے باعث رشک تھی وہ پچھلے صفت اٹھے اور اپنا راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھتے گئے، آگے بڑھنے کے لئے انھوں نے کسی کا سہارا نہیں لیا کوئی بڑی شخصیت ان کی سفارش نہیں تھی کسی کا حق نہیں مارا، کسی کو دھکا دے کر آگے نہیں بڑھے۔ اپنی توازی چال سے سے، بچھ بوجھ سے، کھلے دل و داغ سے صبح ملے پر گلزن ہے۔ اپنی ترقی کئے دوسروں سے بیڑھی مستعد نہیں لی، بلکہ وہ بیڑھی بھی خود تیار کی تھی۔ بارالہا! ترے گنہگار بندے یہ شہادت دیتے ہیں کہ یہ تیرا بیڑی بندہ شیر کھنڈو سے لگا، بارالہا! تیرا بیڑی ہے۔ اپنی رحمت سے اس کے خون کی لاج رکھے اور دنیا میں جس طرح اس کو نرزار کیا تھا، آج، مہلت سے ہزار گنا زیادہ اپنی رحمتوں سے لطف کا معاملہ فرما، اور انھی بیڑیوں کو پھولوں میں رکھ، شیر کھنڈو تم اس سفر میں تنہا نہیں ہو، صفت تہماری بیڑی، اور بیڑیوں کا نالہ ہے تاج تہماک ساتھ نہیں ہے، بلکہ سیلابوں، دلوں کی دھوئیں تہماک ساتھ ہیں۔ ہزاروں اجاب کے آگے تہماک چھلنی کے چلنے والے جسم کے زخموں کو دھو رہے ہیں۔ تم دنیا و آخرت دونوں جگہ کا ایسا ہے۔ تمہاری شخصیت مقامی تھی پھر زندگی ہی میں ملک گیر ہو گئی اور موت اس طرح آئی کہ تم بین الاقوامی عورت کے ستمی بن گئے۔ طوفی لٹ جیا و میناً

تعمیر جات کھنڈو ایک جیر آج بول کر دیا گیا۔ نفع مددی کا عذر گرا کسی ایک شخص کو ایسا نہیں پایا جو شیر صاحب کے شکر و سخی ہو۔ اگر کسی نے دل کھول کر توفیق پس کی تو کسی نے آج تک ایک حرف بولی کا بھی نہیں کیا۔ انھوں نے ترقی کی اور ایسی ترقی کی کہ ہزاروں کے لئے باعث رشک تھی وہ پچھلے صفت اٹھے اور اپنا راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھتے گئے، آگے بڑھنے کے لئے انھوں نے کسی کا سہارا نہیں لیا کوئی بڑی شخصیت ان کی سفارش نہیں تھی کسی کا حق نہیں مارا، کسی کو دھکا دے کر آگے نہیں بڑھے۔ اپنی توازی چال سے سے، بچھ بوجھ سے، کھلے دل و داغ سے صبح ملے پر گلزن ہے۔ اپنی ترقی کئے دوسروں سے بیڑھی مستعد نہیں لی، بلکہ وہ بیڑھی بھی خود تیار کی تھی۔ بارالہا! ترے گنہگار بندے یہ شہادت دیتے ہیں کہ یہ تیرا بیڑی بندہ شیر کھنڈو سے لگا، بارالہا! تیرا بیڑی ہے۔ اپنی رحمت سے اس کے خون کی لاج رکھے اور دنیا میں جس طرح اس کو نرزار کیا تھا، آج، مہلت سے ہزار گنا زیادہ اپنی رحمتوں سے لطف کا معاملہ فرما، اور انھی بیڑیوں کو پھولوں میں رکھ، شیر کھنڈو تم اس سفر میں تنہا نہیں ہو، صفت تہماری بیڑی، اور بیڑیوں کا نالہ ہے تاج تہماک ساتھ نہیں ہے، بلکہ سیلابوں، دلوں کی دھوئیں تہماک ساتھ ہیں۔ ہزاروں اجاب کے آگے تہماک چھلنی کے چلنے والے جسم کے زخموں کو دھو رہے ہیں۔ تم دنیا و آخرت دونوں جگہ کا ایسا ہے۔ تمہاری شخصیت مقامی تھی پھر زندگی ہی میں ملک گیر ہو گئی اور موت اس طرح آئی کہ تم بین الاقوامی عورت کے ستمی بن گئے۔ طوفی لٹ جیا و میناً

نولانا بولتا اللہ رب العزت ان صاحب مددی (۳) یہ فعل اللہ رب العزت کا ہے ہی نہیں، بلکہ شیطان کا فعل ہے چونکہ ختم پر قدرت اللہ ہی نے دی ہے اس لئے یہ نسبت اللہ کی طرف ہے اور وہی مسبب ہے۔ (۴) جب ان کے نفوس کفر میں غرق ہو گئے تو اب ایمان کی کوئی صورت نہیں تھی سوائے اجبار اور تہر کے اور اللہ رب العزت کسی چیز پر مجبور نہیں کرتے اس لئے اس مجبور نہ کرنے کی تعبیر اللہ تعالیٰ نے ختم سے کیا معنی اس کے لم یجبوا، کے ہوا، (۵) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مخالف کے لفظ کو استہزاء اور تہکمہا دہرایا جاتا ہے جیسا کہ یہود کا قول خود موجود ہے قالوا قاتلنا بنی اکتہ انھوں نے کہا ہمارے دل غلاف محفوظ ہیں (۶) یہ امر آخرت کے ساتھ وابستہ ہے اور ماضی سے اس کی تعبیر اس امر کے ہونے پر دلیل ہے اور قرآن پاک میں بھی اس کی دلیل موجود ہے چنانچہ "و نشتشم یوم القیمة علی صبا" کا تعلق آخرت ہی سے ہے" (۷) مراد اس سے یہ ہے کہ ان کے قلوب پر اللہ عزوجل ایسی علامت لگا دیں گے جس کی وجہ سے ملائکہ ان کو پہچانیں گے اور اظہار نفرت کریں گے یہ سب وجوہ اور تاویلات نقل کرنے کے بعد یوں فیصلہ فرماتے: بفرق معتزلہ اور اہل سنت کے درمیان یہ ہے کہ معتزلہ ختم کی نسبت کو اللہ کی طرف نہیں کرتے اس کے پیش نظر توجیہ و تاویل کرتے ہیں، اور اہل سنت خدا کی طرف نسبت کرتے ہیں، اور ان کی تاویل ختم و تفسیر کی حقیقت و مجاز میں ہوتی ہے،

نولانا بولتا اللہ رب العزت ان صاحب مددی (۳) یہ فعل اللہ رب العزت کا ہے ہی نہیں، بلکہ شیطان کا فعل ہے چونکہ ختم پر قدرت اللہ ہی نے دی ہے اس لئے یہ نسبت اللہ کی طرف ہے اور وہی مسبب ہے۔ (۴) جب ان کے نفوس کفر میں غرق ہو گئے تو اب ایمان کی کوئی صورت نہیں تھی سوائے اجبار اور تہر کے اور اللہ رب العزت کسی چیز پر مجبور نہیں کرتے اس لئے اس مجبور نہ کرنے کی تعبیر اللہ تعالیٰ نے ختم سے کیا معنی اس کے لم یجبوا، کے ہوا، (۵) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مخالف کے لفظ کو استہزاء اور تہکمہا دہرایا جاتا ہے جیسا کہ یہود کا قول خود موجود ہے قالوا قاتلنا بنی اکتہ انھوں نے کہا ہمارے دل غلاف محفوظ ہیں (۶) یہ امر آخرت کے ساتھ وابستہ ہے اور ماضی سے اس کی تعبیر اس امر کے ہونے پر دلیل ہے اور قرآن پاک میں بھی اس کی دلیل موجود ہے چنانچہ "و نشتشم یوم القیمة علی صبا" کا تعلق آخرت ہی سے ہے" (۷) مراد اس سے یہ ہے کہ ان کے قلوب پر اللہ عزوجل ایسی علامت لگا دیں گے جس کی وجہ سے ملائکہ ان کو پہچانیں گے اور اظہار نفرت کریں گے یہ سب وجوہ اور تاویلات نقل کرنے کے بعد یوں فیصلہ فرماتے: بفرق معتزلہ اور اہل سنت کے درمیان یہ ہے کہ معتزلہ ختم کی نسبت کو اللہ کی طرف نہیں کرتے اس کے پیش نظر توجیہ و تاویل کرتے ہیں، اور اہل سنت خدا کی طرف نسبت کرتے ہیں، اور ان کی تاویل ختم و تفسیر کی حقیقت و مجاز میں ہوتی ہے،

مختم دست بہ بہت متعذر پرورث ہے۔ جب اللہ تعالیٰ آپ کے امانت کی توفیق کا شرف بخشے گا تو اس سے زیادہ تفصیلات بتائیں گے۔ ہم نے مسلمانان ہند سے بھی لے کر ارادہ کر رکھا ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟ ہمارے اس طریقہ کار اور کام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کاش ہم نے مسئلہ بول کر اچھے سے حل کیا ہوتا جس میں آپ اپنی قیمتی رائے اور مشورہ سے نوازتے، اور ہمارے اس کام میں شریک ہوتے جو آپ ہی کا کام ہے یہاں اس وقت ہر مومنہ الامور الاسلامیہ اور رابطہ اعلیٰ کے صدر شیخ امجد زادی، اور ادیب دوران شیخ علی طنطاوی کے ساتھ ہیں۔ یہ دونوں حضرات آپ کو بہت بہت سلام کہتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات نظر میں کہ ملے ہی آپ کا گرمی نار کھائیگا۔ اخیر میں آپ کے اور آپ کے دوست کے رسالہ "الاعوام الاسلامیہ" کے سلسلہ میں آپ کے احساسات کا شکر گزار ہوں۔ وہ اس آپ کو پابندی کے ساتھ پہنچنے کے میری گزارش ہے کہ آپ ایسے ہی مضمون کے ذریعہ شرکت فرمائیں، ہم آپ کے توجیہ مضافیہ نام پر بارگاہ نہایت مشتاق ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مبارک ہاتھوں کو توفیق بنائے رکھے اور عمر میں برکت عطا فرمائے آپ کے ہمراہ دیگر تمام احباب گرام کو سلام عرض ہے۔

انفوس اب حقیقت و مجاز کی تشریح و توضیح کرنے والا ہم میں نہیں رہا ہے بقیہ شمار - حج کا ایک شیر دہ بھی اس زہر سے ٹھیک ہوتا جاوے ہے بیان میں جن تلامذہ پر رائے زنی کا گنا ہے ان میں سب سے خاص یہ ہے کہ فسادات روکنے کے لئے مضبوط سیاسی ادارہ کے ساتھ میدان میں اترے۔ فساد کی عمل ذمہ داری، خاص کر بڑے واقعات میں وزیر اعلیٰ اپنے اہل پسند اس کا مطلب یہ ہوا کہ وزیر اعلیٰ استعفیٰ دیں، اگر وہ زہر کا توشا یہاں سے بچ رہا ایک نئی نئی کا آغاز ہو۔ صرف کھلے اور پورے کپتان بدلنے سے ان دیوانی اموات کا علاج ہونے والا نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں آگے جو توجہ دیکھو جاری ہے اس سے کچھ بہ چیل سکتا ہے۔ کہ فرقہ وارانہ بدامنی اور ملک کی عزت میں کیا تال میل

مشائخہ حلوہ مستقیم دست بہ بہت متعذر پرورث ہے۔ جب اللہ تعالیٰ آپ کے امانت کی توفیق کا شرف بخشے گا تو اس سے زیادہ تفصیلات بتائیں گے۔ ہم نے مسلمانان ہند سے بھی لے کر ارادہ کر رکھا ہے، آپ کی کیا رائے ہے؟ ہمارے اس طریقہ کار اور کام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کاش ہم نے مسئلہ بول کر اچھے سے حل کیا ہوتا جس میں آپ اپنی قیمتی رائے اور مشورہ سے نوازتے، اور ہمارے اس کام میں شریک ہوتے جو آپ ہی کا کام ہے یہاں اس وقت ہر مومنہ الامور الاسلامیہ اور رابطہ اعلیٰ کے صدر شیخ امجد زادی، اور ادیب دوران شیخ علی طنطاوی کے ساتھ ہیں۔ یہ دونوں حضرات آپ کو بہت بہت سلام کہتے ہیں۔ یہ دونوں حضرات نظر میں کہ ملے ہی آپ کا گرمی نار کھائیگا۔ اخیر میں آپ کے اور آپ کے دوست کے رسالہ "الاعوام الاسلامیہ" کے سلسلہ میں آپ کے احساسات کا شکر گزار ہوں۔ وہ اس آپ کو پابندی کے ساتھ پہنچنے کے میری گزارش ہے کہ آپ ایسے ہی مضمون کے ذریعہ شرکت فرمائیں، ہم آپ کے توجیہ مضافیہ نام پر بارگاہ نہایت مشتاق ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مبارک ہاتھوں کو توفیق بنائے رکھے اور عمر میں برکت عطا فرمائے آپ کے ہمراہ دیگر تمام احباب گرام کو سلام عرض ہے۔

انفوس اب حقیقت و مجاز کی تشریح و توضیح کرنے والا ہم میں نہیں رہا ہے بقیہ شمار - حج کا ایک شیر دہ بھی اس زہر سے ٹھیک ہوتا جاوے ہے بیان میں جن تلامذہ پر رائے زنی کا گنا ہے ان میں سب سے خاص یہ ہے کہ فسادات روکنے کے لئے مضبوط سیاسی ادارہ کے ساتھ میدان میں اترے۔ فساد کی عمل ذمہ داری، خاص کر بڑے واقعات میں وزیر اعلیٰ اپنے اہل پسند اس کا مطلب یہ ہوا کہ وزیر اعلیٰ استعفیٰ دیں، اگر وہ زہر کا توشا یہاں سے بچ رہا ایک نئی نئی کا آغاز ہو۔ صرف کھلے اور پورے کپتان بدلنے سے ان دیوانی اموات کا علاج ہونے والا نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں آگے جو توجہ دیکھو جاری ہے اس سے کچھ بہ چیل سکتا ہے۔ کہ فرقہ وارانہ بدامنی اور ملک کی عزت میں کیا تال میل

لکھنؤ کے معروف عطریات شامۃ العنبر عطرانی حنا مجموعہ وغیرہ طلب فرمائیں کارخانہ تحریک سلیبان تھمپٹون یوسف بلڈنگ۔ ۱۸ نادان محل رڈ، لکھنؤ

چند اہم اور قابل مطالعہ اسلامی عدالت آفاقی مجاہد اسلام ۱۵٪ اسلامی تعلیمات ۲۰٪ بارہ مہینوں کے فضائل ۲۵٪ اسلام میں مستقل ہند ۳۵٪ حکیم الامت مولانا عبدالمجید دہلوی ۸۰٪ اصلاحیات مولانا ابوالحسن علی ندوی ۲۵٪ راجحیات (رحمید الدین خان) ۴۵٪ اصول الفقہ ۲۲/۵۰٪ تسبیل السبلۃ ۲۱٪ ملے کا پتہ: مکملہ حراء، پوسٹ بکس نمبر ۴۵، لکھنؤ